"تاریخی حقایق"

از

(مولانا محمد ظفیر الدین دارالعلوم معینیہ سانحہ ضلع مونگیر)

اس عنوان سے میں نے جولائی، اگست ۵۱ء کے برہان میں اندلس اور بغداد کے بعض سلاطین کے حالات لکھے تھے، اس وقت یہ تاریخی حقایق بہت پسند کئے گئے تھے، کتاب "آئینۂ حقیقت نما" مولفہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی میں بھی بعض واقعات پڑھتے وقت بہت پسند آئے، دل نے کہا یہ واقعات قوم و ملک کے سامنے بھی پیش کر دئیے جائیں تاکہ مشعلِ راہ کا کام دیں وما توفیقی الا باللہ

(ظفیر صدیقی)

محمد بن قاسم فاتح سندھ کسی تعارف کے محتاج نہیں، سب سے پہلے باضابطہ یہی بزرگ راجہ داہر کے زمانہ میں ہندوستان تشریف لائے، جن کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی اعانت اور گلو خلاصی تھا، سیوستان میں راجہ داہر کا بھتیجا بجے رائے حکمراں تھا، محمد بن قاسم جب اس طرف بڑھے اور بجے رائے نے مقابلہ کا ارادہ کیا، تو باشندگان شہر اور شہر کے علمائے بدھ نے جلسہ کر کے طے کیا کہ جنگ مناسب نہیں ہے اور بجے رائے کی خدمت میں اہل شہر کی طرف سے یہ درخواست پیش کی:

"مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیجئے، اور صلح اور آشتی سے کام لیجئے، مسلمان درخواست صلح کو رد نہیں کرتے، اور کسی کے مذہب میں دخل نہیں دیتے، لہٰذا کشت و خون کا ہنگامہ برپا کرنا فضول ہے۔"[1]

یورپی مورخین نے مسلمانوں کو کس قدر بدنام کیا ہے، اور مسلمانوں کو ظالم ثابت کرنے کی کیسی ناپاک کوشش کی ہے مگر غور کیجئے کہ پہلی صدی ہجری ہے اور مسلمانوں کے متعلق عرب سے اتنی دور ہندوستان والے کتنا صحیح خیال رکھتے تھے، اگر واقعی اسلام ظلم ہی لے کر آتا، تو کیا ان

---

[1] آئینۂ حقیقت نما ج ۱، ص ۸۱

سندھیوں کو معلوم نہ ہوتا،

"اسی موقع کا ایک واقعہ ہے کہ بجے رائے نے اپنا ایک خاص جاسوس مسلمانوں کے لشکر میں بھیجا، اتفاق سے اس نے مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھتے ہوئے دیکھا، اور جاکر کہا، یہ لوگ اس قدر متحد اور متفق ہیں کہ ان کا مغلوب کرنا سخت دشوار ہے۔ بجے رائے مرعوب ہوکر رات ہی کو سیوستان سے فرار ہوگیا"[1]

اللہ اللہ یہ تھا مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کا اثر! اب تو خود مسلمان ہی منہ آنے لگے ہیں کہ آخر نماز سے کیا فائدہ؟ دیکھ رہے ہیں اسلاف کی نماز ان کو کتنا فائدہ پہونچاتی تھی! کیا اس کے باوجود نماز باجماعت کے فائدے کا انکار کیا جائے گا؟

جس دن راجہ داہر مسلمانوں کے ہاتھ مارا گیا اور مسلمانوں نے کامیابی حاصل کی، اس دن بہت سے لوگوں نے درخواست پیش کی کہ ہم بخوشی مسلمان ہونا چاہتے ہیں چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق ان کو اسلام میں داخل کرلیا گیا، مگر دوسرے ہی دن محمد بن قاسم نے اعلان کرادیا

"جو شخص چاہے اسلام قبول کرے، اور جو چاہے اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا"[2]

یہ تھی مسلمانوں کی رواداری اور ان کا قرآنی آیت لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں) پر عمل، وہ لوگ آنکھیں کھول کر دیکھیں جو تعصب سے چیختے رہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، اور ان پاکستانی پرجوش مسلمانوں کو بھی غور سے پڑھنا چاہیے، جن کو غریب اقلیت کے زبردستی تبدیل مذہب کا مالیخولیا ہوتا ہو،

"برہمن آباد جب فتح ہوا، تو یہاں کے بعض باشندے ڈر سے بھاگنے لگے، اس موقع پر محمد بن قاسم نے اعلان کرادیا اور اس کا یہ سلوک رہا کہ

"جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے اسے بھاگ جانے دو، ..... باشندگانِ شہر

---

[1] آئینۂ حقیقت نما صلا ج۱ [2] ایضاً صص

سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا سوداگر، دکان دار، اور اہل حرفہ بدستور اپنے مشاغل میں مصروف رہے، امن و امان کا اعلان کر دیا گیا..... جنگی قیدی جب محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے ان کو رہا کر دیا،..... جو اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی، نہ جان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہونچایا جائے گا۔"[1]

اس سے بڑھ کر رواداری اور حسن سلوک کوئی اور ممکن ہے؛ کسی بات میں فتح کا غرور نظر آتا ہے؛ ظلم و جور کہیں سے معلوم ہوتا ہے؛ پھر ان فاتحوں کو برکت کیوں نصیب نہ ہوگی، ضرور نصیب ہوگی اور ہوئی بھی۔

الور فتح ہو چکا تو محمد بن قاسم نے تعجب سے دیکھا کہ بہت سے لوگ اس کے بڑے بت خانہ "نودھار" میں بت کے آگے سجدے میں پڑے ہیں، یہ اس کو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مندر ہے، اس کے اندر محمد بن قاسم داخل ہوا اور واپس آیا۔ ایک چیز بھی نہیں بگاڑی بلکہ نکلنے کے بعد عام اعلان کر دیا

"اس شہر کے باشندے ہر قسم کے ٹیکس اور محصول سے معاف کئے جاتے ہیں"[2]

ملتان کو محمد بن قاسم نے فتح کیا، اور کس طرح کیا مورخ کا بیان ہے

"مسلمانوں نے بزور شمشیر ملتان پر قبضہ کیا، اور اہل شہر کو کسی قسم کا نقصان پہونچائے بغیر امن امان اور معافی کا اعلان کیا، محمد بن قاسم نے ہر جگہ شہروں کے لوٹنے اور رعایا کے اموال پر قبضہ کرنے سے اپنے سپاہیوں کو روکا،.... مندروں کی مورتیوں کو جو جواہرات سے مُرصّع اور سونے چاندی کی بنی ہوئی تھیں کسی نے ہاتھ نہیں لگایا"[3]

ان واقعات کو غور و فکر کی نگاہوں سے ملاحظہ کیا جائے، اور فیصلہ کیا جائے اسلامی حکومت کے اصول کتنے عمدہ ہیں

---

[1] آئینہ حقیقت نما صہ ۹۶ [2] صہ ۹۶ [3] ایضاً صہ ۹۱

محمد بن قاسم کو سندھ کے لئے سپہ سالار بناکر حجاج بن یوسف نے بھیجا تھا، تاریخ اسلامی میں حجاج اپنے ظلم و جور میں بری طرح بدنام ہے مگر فتح سندھ کے سلسلہ میں حجاج نے محمد بن قاسم کو جو ہدایتیں دی ہیں وہ پڑھنے کے لایق ہیں، فتح دیبل کی خوش خبری سن کر حجاج نے لکھا تھا:

"جب ملک پر تم قابض ہو جاؤ، تو قلعوں کی استواری، اور لشکر کی رفع احتیاج کے بعد—
تمام اموال وخزائن کو "بہبود رعایا" اور رفاہ خلق میں خرچ کرو، دریا درکھو کہ کاشتکاروں، کاریگروں،
سوداگروں، اور پیشہ وروں کی خوش حالی و فارغ البالی سے ملک آباد و سرسبز ہوتا ہے
رعایا کے ساتھ ہمیشہ رعایت کرو، تاکہ وہ تمہاری طرف محبت کے ساتھ راغب ہوں"[1]

کہیں لوٹ کھسوٹ کی تعلیم ہے؟ ملک اور رعایا کے ساتھ رفق و ملاطفت کی کیسی دل نشیں تاکید ہے، محمد بن قاسم جب نیرون میں مقیم تھا تو حجاج کا گرامی نامہ موصول ہوا

"اہل نیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دل دہی کا سلوک کرو، ان کی بہبودی کے لئے کوشش کرو، لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے، اس کو ضرور امان دو کسی مقام کے اکابر و سردار تمہاری ملاقات کو آئیں، ان کو قیمتی خلعت اور انعام و اکرام سے سرفراز کرو۔ عقل و دانائی کو اپنا راہبر بناؤ، جو وعدہ کسی سے کرو۔ ضرور پورا کرو، تمہارے قول و فعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد و اطمینان ہو"[2]

کیا ان ہدایات میں وہ ساری باتیں درج نہیں ہیں؟ جو ایک ذمہ دار کا فریضہ ہوتا ہے ایک طرح غور کیا جائے کہ جو ہدایتیں ہیں وہ ملک و قوم کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہیں، یا ان میں ملک اور قوم کا جانی، مالی اور سیاسی نقصان ہے، اخلاق و اعمال کی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے، یا ظلم و جبر اور بربریت کی طرف؟

سیوستان کی فتح کی خوش خبری معلوم کر کے محمد بن قاسم کے نام اوپر سے ہدایت پہونچی کہ "جو کوئی تم سے جاگیر و ریاست طلب کرے، تم اس کو ناامید نہ کرو، التجاؤں کو قبول کرو،

---

[1] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۹۵ ج ۱ [2] ایضاً

امان وعفو سے رعایا کو مطمئن کرو،۔۔۔۔۔ سلطنت کے چار ارکان ہیں، اوّل مدارا ودرگزر اور محبت، دوم سخاوت وانعام، سوم دشمنوں کی مزاج شناسی، اور ان کی مخالفت میں عقل کو ہاتھ سے نہ دینا، چہارم قوت وشہامت، تم اپنا والوں سے جو عہد کرو، اس پر قائم رہو، جب وہ مال گذاری دینے کا اقرار کرلیں، تو ہر طرح ان کی امداد واعانت کرو، جب کسی کو سفیر بناکر بھیجو تو اس کی عقل وامانت کو جانچ لو"[1]

کہیں وفاداری کے مطالبہ کی خواہ مخواہ شرط ہے، کہ رعایا سے اپنی مدح اور ستایش کے گیت گانے کا مطالبہ کرو، ان کو اتنا تنگ کرو، کہ گھر چھوڑ کر در بدر کی خاک چھانے،۔ ارکان اربعہ اس قابل ہیں کہ حکمراں ان پر عمل کرنا سیکھیں

محمد بن قاسم دریا پار ہوکر جب داہر کی فوج سے نبرد آزما ہوا، تو حجاج بن یوسف کا ہدایت نامہ ملا،

"پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر وقرأت، قیام وقعود، اور رکوع وسجود میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کرو، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر نہیں ہوسکتی، اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھوگے، تو یقیناً مظفر ومنصور ہوگے"[2]

ممالکِ اسلامیہ کے پادشاہ، گورنر جنرل، اور وزیر اعظم عبرت وبصیرت کی آنکھوں سے اس خط کو پڑھیں اور دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں اب ان میں یہ عقیدہ اور ایمان کی یہ پختگی باقی رہی؟ ظالم حجاج کے دل میں دین کی جو وقعت تھی کیا اس کا عشر عشیر بھی ممالکِ اسلامیہ کے حکمرانوں میں باقی ہے؟ کاش مسلمان اس راز کو سمجھ لیتے اور ان میں اس کا صحیح یقین پیدا ہوجاتا۔ پھر دنیا ان کی تھی، اور عزت اور شوکت وعظمت ان کے قدموں سے لپٹی نظر آتی۔

راجہ داہر جب جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کی اطلاع حجاج کو پہونچی،

---

[1] آئینہ حقیقت نما ج ۱ ص ۹۶ [2] ایضاً

تو اس نے محمد بن قاسم کے نام یہ خط روانہ کیا،

"تمہارا انتظام و اہتمام اور ہر ایک کام شرع کے مطابق ہو، ..... جو لوگ بزرگ اور ذی وقعت ہوں، ان کو ضرور امان دو، لیکن شریر اور بدمعاشوں کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو، اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی استمالت کرو"[1]

ایک دوسرے خط میں محمد بن قاسم کی خدمت کو سراہتے ہوئے لکھا،

"اے ابن عم محمد بن قاسم! تم نے رعیت نوازی اور رفاہِ عام میں جو کوشش کی ہے، وہ نہایت تعریف کے قابل ہے"[2]

رعیت نوازی پر اب ایسی حوصلہ افزائی ہوتی ہے؟ اب تو بڑا دیش بھگت وہ ہے، جو تعصب سے کام لے اور جو کام کرے، وہ فرقہ وارانہ عینک سے پہلے دیکھ لے،

برہمن آباد کی فتح کے بعد پوجاریوں کا ایک معزز وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور یہ شکوہ پیش کیا، کہ مسلمان سپاہیوں کے خوف سے ہندو مندروں میں پوجا کے لئے بہت کم آنے لگے ہیں، ہماری آمدنی کم پڑ گئی ہے ایام محاصرہ میں بعض مندروں کو نقصان پہونچا ہے اس کی مرمت اب تک نہ ہو سکی ہے، لہٰذا آپ ان مندروں کی اپنے اہتمام میں مرمت کرائیں اور ہندوؤں کو مجبور کریں کہ وہ بے خوف و خطر مندروں میں آکر پوجا کریں، محمد بن قاسم نے جواب دیا کہ تمہارے مندر کا تعلق شہر الور سے ہے اور وہ میرے قبضہ میں نہیں، میں کیسے دخل دوں، پوجاریوں نے کہا، اب ان مندروں کا معاملہ ہم لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا اب سب کچھ آپ ہی کو کرنا چاہیئے، محمد بن قاسم نے فوراً یہ تفصیل لکھ کر حجاج کو خبر دی، حجاج نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ

"تمہارے خط سے معلوم ہوا، کہ برہمن آباد کے ہندو اپنے مندروں کی عمارت درست کرنا چاہتے ہیں، چونکہ انھوں نے اطاعت قبول کر لی ہے، لہٰذا ان کو اپنے معبودوں

---

[1] آئینۂ حقیقت نما ص ۹۶ ج ۱ [2] ایضاً

کی عبادت میں آزادی حاصل ہونی چاہیے، اور کسی قسم کا جبر کسی پر مناسب نہیں ہے"[۱]

جس وقت یہ خط پہونچا، محمد بن قاسم برہمن آباد سے کام کے لئے نکل چکا تھا اور ایک منزل کی دوری پر تھا مگر جونہی یہ گرامی نامہ ملا۔ فوراً برہمن آباد واپس آیا، اور کام یہ کیا کہ

"وہاں کے تمام اکابر و امرار کو بلایا، اور برہمنوں یعنی پجاریوں کے حقوق و مراسم کی تحقیق کی، اور راجہ داہر کے زمانہ میں۔ سلطنت کی طرف سے کیا کیا رعایتیں برہمنوں کو حاصل تھیں، سب کو معلوم کیا، اس کے بعد اس نے شہر میں اعلان کرادیا، کہ جو لوگ اپنے باپ دادا کے مراسم کے پابند ہیں۔ ان کو ہر قسم کی آزادی ان مراسم کے بجالانے میں حاصل ہے، کوئی شخص معترض نہ ہوسکے گا، برہمنوں کو دان پن، دکشنا، بھینٹ، جس طرح پہلے دیتے تھے، اب بھی دیں، اپنے مندروں میں آزادانہ پوجا پاٹ کریں، محاصلِ ملکی یعنی سرکاری مالگذاری میں سے تین روپیہ فی صدی۔ برہمنوں کے لئے الگ خزانہ میں جمع کیا جائے گا، اس روپیہ کو برہمن جس وقت چاہیں اپنے مندروں کی مرمت اور ضروری سامان کے لئے خزانہ سے برآمد کرا سکتے ہیں"[۲]

کیا اس کے بعد بھی یہی کہا جائے گا کہ مسلمانوں میں رواداری نہیں ہے؟ یہ لٹیرے ہیں، ان لوگوں نے دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کیا، ملک کی تین فی صدی آمدنی مندر کو کوئی ہنت حکومت بھی دے سکتی ہے؟ حکومت پاکستان کے حکمرانوں کو بھی اس واقعہ کو پڑھنا چاہیئے، اور بھارت کے ان لوگوں کو بھی جو خواہ مخواہ کے تعصب میں مبتلا ہیں،

پھر آپ کو حیرت ہوگی محمد بن قاسم کے ان تمام کارناموں کو حجاج نے سراہا اور لکھا،

"میں تمہارے ملکی انتظام سے بہت خوش ہوا ہوں، تم ایسے کام کرو، کہ تمہارا نام روشن ہو،.... تم بطور خود رعیت نوازی اور عدل گستری کے طریقوں پر آزادانہ عمل درآمد کرو"[۳]

ایک خط میں حجاج نے لکھ بھیجا۔

"جو مطیع ہوں ان کو امان دو، صناع و تاجر پر کوئی محصول یا ٹیکس عائد نہ کرو، جو شخص زراعت میں زیادہ

---

[۱] آئینہ حقیقت نما صلے ۹ [۲] ایضاً [۳] ایضاً صلے ۹

توجہ اور جانفشانی سے کام لیتا ہے، اس کی مدد کرو، اور اس کو تقاوی دو، جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں، ان سے زمین کی پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ وصول کرو، اور جو لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں، ان سے وہی مالگذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے"[1]

کسی جملہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان حکمرانوں کو اپنی رعایا سے محبت نہ تھی، یا وہ اپنی مطیع رعیت پر ظلم اور ستم ڈھانے کا ارادہ رکھتے تھے، عدل و مساوات میں کہیں خامی اور کمی ہے؟ کہنے والے کچھ کہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے کبھی بھی تعصب سے کام نہ لیا، جو حکمراں برا ہوا، وہ ہر ایک کے لئے ہوا، ہندو کے لئے بھی اور مسلمان کے لئے بھی،

تاریخ کا ایک عجیب و غریب واقعہ سبھوں کے سننے کے لائق ہے، الور فتح ہوچکا، تو کچھ لوگ محمد بن قاسم کے سامنے پیش ہوئے، جو اپنے اعمال و اخلاق کی وجہ سے حکومت کے قانون میں واجب القتل تھے، محمد بن قاسم نے ان کو جلادوں کے سپرد کردیا، ان میں ایک نے عجیب تدبیر سوچی، اس نے کہا میرے پاس ایک چیز ایسی ہے جسے کسی نے کبھی بھی نہیں دیکھا ہے، جلادوں نے کہا دکھاؤ، اس مجرم نے کہا تم کو نہیں، تمھارے سردار محمد بن قاسم کو البتہ دکھا سکتا ہوں، محمد بن قاسم کو اس کی اطلاع ہوئی، بلا بھیجا، فرمائش کی کونسی چیز ہے۔ دکھاؤ

"اس نے کہا اس وقت دکھاؤں گا، جبکہ مجھ کو اور میرے سارے کنبہ کو امان دی جائے محمد بن قاسم نے کہا میں نے امان دی، اس نے کہا اپنا تحریری اور دستخطی امان نامہ دو، تو دکھاؤں محمد بن قاسم نے سمجھا کوئی بڑی ہی بیش قیمت چیز ہوگی، لہٰذا امان نامہ پر دستخط کرکے اس کے حوالہ کیا، امان نامہ لے کر اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا، سر کے بال کو بکھیر دیا، ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور پاؤں کی انگلیوں کو اپنے سر سے لگایا، پھر ناچنے لگا اور کہنے لگا، کہ کسی شخص نے میرا یہ عجیب و غریب تماشا نہیں دیکھا ہوگا، محمد بن قاسم اپنی غلطی پر حیران تھا، لوگوں نے جو موجود تھے کہا یہ کیا عجیب تماشا ہے جس کے لئے امان دی جائے، اس نے ہم کو دھوکہ دیا ہے، اسے قتل

---

[1] آئینہ حقیقت نما صد ۹۸

کرنا چاہیئے، محمد بن قاسم نے کہا کہ "قول مرداں جان دارد" میں چونکہ اس کو امان دے چکا ہوں اس لئے اپنے عہد سے نہیں پھر سکتا، ہاں یہ مناسب ہے کہ اس کو قید رکھا جائے، اور اس معاملہ میں حجاج سے فتویٰ طلب کیا جائے، جب حجاج کے پاس یہ تمام کیفیت لکھی پہونچی تو اس نے خلیفہ ولید بن عبد الملک اور کوفہ و بصرہ کے علماء کو لکھا، اور اس معاملہ میں فتویٰ طلب کیا، خلیفہ نے بھی اور علمائے کوفہ و بصرہ نے بھی حجاج کو لکھا، کہ اس مجرم کے ساتھ جو وعدہ کیا گیا ہے، وہ ضرور پورا ہونا چاہیے، چنانچہ حجاج کے پاس سے جواب آنے پر وہ شخص اور اس کے کنبہ کے بائیس آدمی جو واجب القتل تھے، رہا کر دیئے گئے"[۱]

موجودہ لیڈروں کی نظروں سے یہ تاریخی واقعہ گذرے گا، تو قہقہہ مار کر ہنسیں گے اور کہیں گے، "ذراسی بات تھی جسے افسانہ کر دیا"، دھوکہ دینے والوں کے ساتھ رحم کا سوال کیسا؟ اور پھر اس نے ایک چال چلی، حکومت بیسیوں چال چل سکتی تھی، بلکہ بہت سے روشن خیال پکار اٹھیں گے "تب تو انگریزی داں کہتے ہیں کہ علماء سیاست نہیں جانتے"، اور بالکل درست ہے مذہبی قسم کے لوگ موجودہ دور میں سیاست کے مرد میدان نہیں بن سکتے" یہ تو ہر بات میں مسئلہ تلاش کرنے لگتے ہیں،

مگر سوچنا چاہئے کہ مسلمانوں میں ایفائے وعدہ کتنا ضروری سمجھا جاتا تھا، دھوکہ کا جواب دھوکہ نہیں، سچائی اور اخلاق ہے، آگ آگ سے نہیں، پانی سے بجھتی ہے،

"محمد بن قاسم اور اس کے عہد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں"[۲]

مگر پھر بھی مہاسبھائیوں ہندوؤں کی نظر میں مسلمان حکمراں "ہندو کش اور ظالم" ہی رہے،

سندھ میں محمد بن قاسم نے ان پیشہ وروں کی حکومت کی طرف سے مدد کی، جن کا کاروبار کسی وجہ سے بند ہو گیا تھا، برہمنوں کو جب معلوم ہوا کہ حکومت کی طرف سے پبلک پر رحم و کرم

[۱] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۹۸ و صفحہ ۹۹ [۲] ایضاً

کی بارش ہورہی ہے، برہمنوں نے آکر درخواست کی کہ

"راجہ داہر ہمارا ہم قوم تھا، اور ہم ہی سلطنت کے تمام معزز عہدوں پر مامور تھے سب ہماری حکومت کو مانتے اور ہم کو سب سے زیادہ معزز جانتے تھے، ہمارے لئے آپ نے کیا انتظام کیا ہے، محمد بن قاسم نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ برہمن واقعی ایک معزز اور امورِ سلطنت سے واقف قوم ہے، حکم دیا کہ برہمنوں کو "سلطنت اسلامیہ" کے "معزز عہدوں" پر مامور کیا جائے، چنانچہ محکمۂ مال کا تمام انتظام برہمنوں کے سپرد کردیا گیا، .... زرِ مالگذاری کا وصول کرنا، اس کا حساب رکھنا، خزانہ کی حفاظت کرنا، سب برہمنوں کے سپرد کردیا گیا، چنانچہ محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر آئندہ ہر زمانہ میں ملک سندھ کا مالی محکمہ برہمنوں ہی کے ہاتھ میں رہا.... برہمن محمد بن قاسم سے جس شخص کی سفارش کرتے، وہ اس کے مرتبہ کو بلند کردیتا تھا، محمد بن قاسم نے برہمنوں کو تاکید کردی تھی، کہ کاشتکاروں سے محصول یا بٹائی، وصول کرنے میں ہرگز کوئی سختی نہ کی جائے، اور جہاں تک ممکن ہو کاشتکاروں کو سہولتیں دی جائیں، جس کاشتکار کے یہاں پیداوار کم ہو، اس کو سرکاری لگان معاف کردیا جائے"[1]

اسے رواداری کہیں گے یا ظلم اور ستم؟ اہلِ ملک کو دوست سمجھا یا دشمن؟ ہندوؤں کی مسلمان حکمرانوں نے عزت کی، یا ذلیل کیا؟ پھر غور کیجئے کاشتکاروں اور ملک کے دوسرے پیشہ وروں کے ساتھ کتنا حسنِ سلوک برتا جارہا ہے، آزاد بھارت کی طرح ٹیکس پر ٹیکس تو عائد نہیں کئے، ریل کا کرایہ، لفافہ۔ کارڈ اور رجسٹری فیس میں تو اضافہ کی ان کو نہ سوجھی؛ زمینداری بھارت میں اٹھتی جارہی ہے اور کسان سہمے جارہے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ریل کے کرایہ کی طرح دونی مالگذاری بھی کردی جائے اور پھر دو سال کے بعد ڈھائی گنی ہو جائے، اور دیر سویر غالباً یہ ہو کر رہے گا، یہاں تو وزیروں اور اراکین پارلیمنٹ اور اسمبلی و کونسل اور دوسرے عہدیداروں

---

[1] آئینہ حقیقت نما صفحہ ۲۹ و صفحہ ۳۰

کی جیبیں بھرنی چاہیے، پبلک بھکاری ہوگئی تو کیا، بلکہ کچھ فائدہ ہی ہوگا کہ لالچ دلا کر ووٹ حاصل کرنے میں آسانی ہوگی،

محمد بن قاسم نے قوم اور ملک کے ساتھ جو کچھ کیا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ

"وہ ملک سندھ سے رخصت ہوا ہے، تو عام طور پر تمام ملک میں رنج و ملال کا اظہار کیا گیا، شہر کیرج کے ہندوؤں اور بودھوں نے اپنے شہر میں محمد بن قاسم کا ایک بت بنا کر رکھا، اور اس کی پرستش شروع کردی[1]"

بت تو اب بھی قائم کئے جاتے ہیں، جس میں ہاتھ خود بت والے ہی کا ہوتا ہے، مگر اسے دیکھ کر لوگ گالیاں دیتے ہیں اور بددعائیں کرتے ہیں۔ مسرت نہیں ہوتی، نفرت سے دل بھر جاتا ہے،

راجہ جے پال نے سبکتگین کو بار بار تنگ کیا اور بہت چاہا کہ غزنی حکومت کو تباہ و برباد کردے، پہلی مرتبہ غزنی حکومت پر حملہ آور ہوا، اور گرفتار ہوا، اس نے سبکتگین کے پاس درخواست بھیجی

"مجھ سے بڑی خطا ہوئی ہے آپ اس مرتبہ میرا قصور معاف کردیں، میں آئندہ ہمیشہ آپ کا فرماں بردار رہوں گا، اور پنجاب پہونچ کر بہت سا چاندی سونا بطور جرمانہ آپ کے پاس بھیجوں گا، آپ اپنے آدمی میرے ہمراہ بھیج دیجئے، میں ان کے ہمراہ خزانہ اور قیمتی تحفے مع پچاس ہاتھیوں کے بھیج دوں گا[2]"

سبکتگین کے سرداروں نے کہا کہ قابو میں آئے ہوئے دشمن کو چھوڑنا دانائی اور عقل کے خلاف ہے، مگر سبکتگین نے اسلامی تعلیم پر عمل کیا اور اس کی درخواست صلح کو منظور کرلیا اور اسے معاف کردیا، مگر یہ سن کر حیرت ہوگی کہ راجہ جے پال نے وعدہ خلافی کی، سبکتگین کے آدمیوں کو گرفتار کرلیا اور پورے ملک کے راجاؤں کو دعوت دی کہ میری مدد کرو اور سب مل کر غزنی حکومت کو تہس نہس کردو، سبکتگین کو پہلے یقین نہ آیا، مگر جب اس کے آدمی واپس نہیں آئے تو جاسوس بھیجا اور اس وقت پتہ لگا کہ عنقریب ہی جے پال جو کل معافی کی درخواست کے ذریعہ جان بچا کر گیا ہے حملہ آور ہونے والا ہے

---

[1] آئینۂ حقیقت نما صفحہ ۱۲۱ ج ۱ و صفحہ ۱۲۲ ج ۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۴۰ ج ۱

اور یہی ہوا

«اس مرتبہ لمغان کے میدان میں جے پال کے ساتھ تین لاکھ جرار فوج اور بہت سے جنگی ہاتھی تھے،»

اور سبکتگین کے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ فوج نہ تھی، پہلے گھبرایا، مگر پھر سبکتگین نے ہمت و جرأت کی، اور مقابلہ کیا، قدرت نے مدد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ جے پال شکست کھا کر بھاگا، گویا پورا ہندوستان حسرت کدہ بن گیا،

امیر سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود غزنوی مسند حکومت پر بیٹھا تو جے پال نے اس امید میں کہ تجربہ کار بادشاہ مرچکا ہے ناتجربہ کار محمود کو ایک ہی حملہ میں شکست دے دیں گے، بڑی قوت سے غزنی پر تیسرا حملہ کیا، اور اس مرتبہ بھی جے پال کی ڈیڑھ لاکھ فوج نے محمود کی دس ہزار فوج کے ہاتھوں شکست کھائی، جے پال گرفتار ہوا، غزنی میں جے پال سے پوچھا گیا، تو نے بار بار کیوں پریشان کیا، جے پال نے کہا

«اس مرتبہ میری خطا اور معاف کی جائے، اور مجھ کو چھوڑ دیا جائے، میں اب تا زیست انحراف نہ کروں گا، اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ سمجھ کر حکومت کروں گا، اور سالانہ خراج بلا عذر وحیلہ بھیجتا رہوں گا، محمود نے انتہائی شرافت کو کام میں لا کر راجہ کی استدعا قبول کرلی اور غزنی سے لاہور کی جانب روانہ کردیا»[1]

اُلٹے تاریخوں میں اسی کو محمود غزنوی کا حملہ قرار دیا جاتا ہے ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است، مسلمان حکمرانوں کا رحم وکرم ملاحظہ فرمائیں، جنگ و فساد سے کتنا اجتناب کیا جارہا ہے، مگر دشمن ہے جو شکست کھانے کے بعد بھی حملہ آور ہو رہا ہے، ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہئے؟

اس کے بعد بھی جے پال اور اور جے پال کے بیٹے انند پال نے حکومت غزنی کو تباہ و برباد کرنے کی سعی کی، مگر ہر بار گرفتار ہوا، اور معافی کی درخواست کر کے جان بخشی چاہی! اور ہر مرتبہ جان بخشی کی گئی، ——— اخیر میں بدنام محمود غزنوی کے بارے میں الفنسٹن صاحب کا یہ قول

---

[1] آئینہ حقیقت نما صہ ۱۴۶ ج ۱

ملاحظہ فرمائیے

"یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے (سلطان محمود نے) ایک ہندو کو بھی مسلمان بنایا ہو، ہوائے لڑائی کے کسی ہندو کو اس نے قتل نہیں کیا"[1]

سلطان بلبن کے متعلق لکھا ہے کہ

"عدل وانصاف قائم رکھنے کا اس کو سب سے زیادہ خیال تھا، اس معاملہ میں وہ اپنے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں کی بھی مطلق پرواہ نہیں کرتا تھا"[2]

تاریخ کے اس سلطان سے حکمراں طبقہ کو سبق حاصل کرنا چاہیئے، ایک حکمراں کا یہی فریضہ ہے کہ وہ انصاف کی عدالت میں کسی کی بھی تمیز نہ کرے، دوست دشمن، اپنے اور غیر سب اس کی نظر میں برابر ہوں، سلطان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ

"ایک مرتبہ ایک نہایت عالی جاہ امیر نے جو بدایوں کا صوبہ دار اور چار ہزار اپنے ذاتی سوار رکھتا تھا، ایک پیش خدمت کو کسی بات پر ناراض ہو کر تازیانہ سے پٹوایا، تازیانہ کی ضربات سے وہ جاں بر نہ ہو سکا، اس خدمت گار کے اس طرح مرنے کا حال سلطان بلبن کو معلوم ہوا، تو اس نے امیر مذکور کو اسی طرح کوڑوں سے پٹوایا، یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا، پھر اس کی لاش کو شہر کے دروازے پر لٹکا دیا، تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ اپنے ضعیف ماتحتوں پر ظلم روا رکھنے اور بیدردانہ سزائیں دینے کی جرأت نہ کر سکیں"[3]

اسے کہتے ہیں عدل ومساوات، اور عوام اور غریب وبے کس کا درد، اس دور میں جو تہذیب وتمدن اور جمہوریت کا دور کہا جاتا ہے، اگر کسی گورنر سے ظلم کا ارتکاب ہو جائے، تو اوپر سے نیچے تک سارے لوگ جائیں گے، اس پر پردہ پڑ جائے، اور گورنر صاحب کا قصور ثابت نہ ہو، بلکہ غریب ملازم اور نوکر ہی کو مجرم ثابت کیا جائے، چنانچہ آئے دن مظالم ہوتے رہتے ہیں اور حکام بالا کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔

---

[1] آئینۂ حقیقت نما ج ۱ ص ۱ [2] ایضاً ص ۲۵۶ [3] ایضاً

اسی سلطان بلبن کا ایک اور واقعہ سننے کے لائق ہے

"ملک ہیبت خاں حاکم اودھ نے ایک شخص کو ناجائز طور پر قتل کیا، مقتول کی بیوی نے بادشاہ سے فریاد کی، بادشاہ نے ہیبت خاں کو پانسو کوڑے لگوائے، اور مقتول کی بیوہ سے کہا، کہ یہ آج تک ہمارا غلام تھا، اب تیرا غلام ہے، چاہے اس کو جان سے مار ڈال، اور چاہے زندہ رہنے دے، ہیبت خاں نے بہت سے لوگوں کو منت سماجت کر کے اپنا سفارشی بنایا، اور بیس ہزار روپیہ دے کر، اس عورت سے دستاویز لکھا کر اس کی غلامی سے آزادی حاصل کی"[1]

اگر موجودہ دور میں اسی طرح کا انصاف ہونے لگے، اور جس طرح چھوٹوں کو جرم پر سزا دی جاتی ہے، بڑے لوگوں کو بھی سزائیں دی جائیں، تو پوری دنیا میں سکون و اطمینان ہو جائے اور کمیونزم کا زور آن کی آن میں گھٹ جائے، مگر حیرت یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنی بے ہودگیوں کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ کمیونسٹ جماعت کی ترقی بند ہو جائے، یہ کیسے ممکن ہے

سلطان علاؤ الدین کے متعلق مؤرخوں کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب وہ دہلی پہونچا، تو سب سے پہلا کام یہ کیا، کہ شراب خوری سے توبہ کر کے منادی کرادی، کہ آئندہ کوئی شخص شراب استعمال نہ کرے، چنانچہ اس نے اپنی حدودِ حکومت سے نہایت کامیابی کے ساتھ شراب خوری کا نام و نشان مٹا دیا، خفیہ پولیس محکمہ قائم کیا... کسی کی مجال نہ تھی جو کاشتکار سے ایک حبہ یا ایک دانہ زیادہ وصول کر سکے، رشوت قطعاً موقوف ہو گئی، جھوٹ بولنے کی سخت سزا مقرر کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کی حدودِ حکومت سے کذب و دروغ کا نام و نشان مٹ گیا،..... ملک میں ضروریات زندگی کی اس قدر ارزانی ہو گئی، کہ گندم ساڑھے سات جیتل کے ایک من آتے تھے

---

[1] آئینہ حقیقت نما حصہ دوم ص ۷۵

چیتل تانبے کا سکہ تھا، ایک روپیہ میں چالیس چیتل ہوتے تھے یعنی فی روپیہ پونے چھ من گندم آتے تھے"[1]

واقعہ یوں ہی ہے کہ سلطان اور حکام بالا درست ہو جائیں تو پورا ملک سدھر جائے اب تو بڑے لوگ سارا عیب غریبوں کا ہی بتاتے ہیں، اپنے عیوب پر قطعاً نظر نہیں کرتے، اپنے کو منزہ اور پاکیزہ سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کی پرائیویٹ زندگیوں میں لتھڑی ہوئی ہوتی ہے، دنیا کی ساری برائیاں ان میں موجود ہوتی ہیں اور زبان کے سوا ان کا سب کچھ گندہ ہوتا ہے

---

[1] آئینہ حقیقت نما جلد ۱ صفحہ ۲۷

تاریخ اسلام پر ایک نظر

یہ اسلامی تاریخ کے مختلف دوروں کے تمام ضروری واقعات و حالات کا نہایت جامع اور مکمل خاکہ ہے جس کی ترتیب میں تاریخ نویسی کے جدید تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے، طرزِ بیان نہایت ہی دل نشین اور دل پذیر۔

تاریخ اسلام پر علمائے اسلام نے اگرچہ عربی، فارسی، اردو اور دوسری زبانوں میں بڑی بڑی محققانہ کتابیں لکھی ہیں لیکن اس زمانے کے انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ایک ایسی جامع اور مختصر تاریخ کی شدید ضرورت تھی جس میں نہ صرف آنحضرت ؐ اور خلفائے راشدین کے سوانح حیات کے ساتھ خلافت بنی امیہ و خلافت بنی عباس، خلفائے فاطمین عثمانی سلاطین اور دیگر مسلم بادشاہوں کے حالات درج ہوں بلکہ اس میں اسلامی معاشرت و تمدن اور مسلمانوں کی شاندار علمی خدمات کا بھی موثر انداز میں ذکر ہو اور تاریخی حقایق کے نتائج پر بھی مبصرانہ نظر ڈالی گئی ہو۔

اس کتاب سے یہ کمی پوری ہو گئی ہے اور تاریخ اسلام پر ایک تحقیقی اور نفیس کتاب سامنے آگئی ہے

صفحات ۵۲۸ اعلیٰ درجہ کا کاغذ عمدہ طباعت و کتابت قیمت چھ روپے۔ مجلد چھ روپے آٹھ آنے۔

مینیجر مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی